فضائل التجوید

تصنیف لطیف

حُضور فیض ملت مُفسر اعظم پاکستان
حضرت علامہ الحافظ ابو صالح مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی رحمۃ اللہ علیہ

Visit Owaisi Books
www.faizahmedowaisi.com

تقدیم

زیرِ نظر کِتابچہ قرآن پاک کو تجوِید سے پڑھنے کی اہمیت اور اُس کے فضائل پر مبنی ہے۔ قرآن پاک کو تجوِید سے نہ پڑھنے کے نقصانات اور اُس کا کیا وبال ہے، یہ تمام باتیں تحریر کی گئی ہیں۔ ہر مسلمان کو قرآن صحیح طور سے سیکھ کر اور سمجھ کر پڑھنا چاہیئے تا کہ نمازیں بھی دُرست ہوں اور غلَط قرآن پڑھنے کے وبال سے بھی بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو صحیح قرآن پڑھنے کی سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

دعا گو اور دعا جو

حمزہ علی قادری

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَىٰ رَسُولِهِ ٱلْكَرِيمِ

امابعد! ہمارے دور میں عِلمُ التَجوِید کا چرچا ہے، خدا کرے کہ ہر علمی شعبہ کا اِسی طرح چرچا ہو۔ فقیر نے اِس چرچہ پر تجوید کے فضائل میں یہ رسالہ تیار کیا ہے تا کہ اس فَن میں اَہلِ اسلام کو اور زیادہ شوق ہو، اِسکے فضائل کی چند وَجہیں ہیں۔

(1) علمِ تجوید اَشرف العُلوم ہے: سب کو معلوم ہے کہ عُلومِ دنیاوی کے مقابلہ میں دینی عُلوم بہر حال اَفضل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کالج کی کتنی بڑی ڈگری ہو وہ اسلامی علم کے بالمقابل کچھ نہیں۔ پھر تمام دینی عُلوم میں وہ عُلوم اَفضل ہیں، جن کا تعلق براہِ راست قرآن کریم سے ہے اور اس حقیقت سے کبھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ علمِ تجوید کا تعلق براہِ راست الفاظِ قرآن سے ہے اور چوں کہ الفاظِ قرآن کے مقابلہ میں کوئی چیز بھی مَجد (بزرگی) و شرف کا دَم نہیں بھر سکتی تو اُنہی الفاظ سے تعلق رکھنے والے علمِ تجوید کے متعلق بھی یہ مُتّفَقہ اور یقینی فیصلہ ہے کہ اس علم سے بڑھ کر کوئی بھی علم مُعزّز و مشرّف نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے اس علم کے اکابر اور دیگر محققین علماء نے اس اَمر کی تصریح کی ہے کہ علمِ تجوید اَشرفُ العُلوم ہے۔ کیونکہ اِسے براہِ راست کلامِ الٰہی سے تعلق ہے۔

(2) علمِ تجوید مُنزَل مِنَ اللہِ ہے: یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قدر اَقوٰی (زیادہ قوی، مضبوط) سے اَقوٰی درجۂ اِسنِناد (دلیل و حوالہ) اس علمِ تجوید کو حاصل ہے، اس درجے کا اِسنِناد شاید کسی بھی دِینی علم کو حاصل نہ ہو، اور علموں میں وَسائط (درمیانی ذرائع یا واسطے) حائل ہوں گے۔ لیکن یہاں اِسنِناد میں کوئی واسط (درمیانی ذریعہ) محض واسطے کے طور پر حائل نہیں۔

علمِ تجوید و قِرَاءَت کی دُنیا میں حضرتِ امام جَزَری کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اُن کی مُؤلَّفات (تصنیفات) صدہا سال سے علمِ تجوید و قِرَاءَت کے نصاب کا اہم ترین بُنیادی جُز (حصہ) رہی ہیں۔ یہی امامِ موصوف اپنی مشہور کتاب "مُقَدِّمَةُ الجَزَرِية" میں فرماتے ہیں:

لِأَنَّهُ بِهِ الإِلٰهُ أَنزَلا وَهَكَذَا مِنْهُ إِلَيْنَا وَصَلَا[1]

ترجمہ: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو تجوید کے ساتھ نازل فرمایا، اور اسی طریقے سے ہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمارے تک پہنچا۔

امامِ جَزَرِی کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کلامِ الٰہی مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰہِ (اللہ کی طرف سے نازل کردہ) ہے، اسی طرح علمِ تجوید بھی مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰہِ (اللہ کی طرف سے اتارا ہوا) ہے۔ اب جو شخص قِراءَتِ قُرآن (قرآن کی قرأت) یعنی تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (الواقعة:80) (تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کردہ) کو ناقص (ادھورا، کمی والا) ہی نہیں بلکہ پارہ پارہ (ٹکڑے ٹکڑے) کرتا ہے، وہ سخت خطرے میں ہے۔ اسی لیے امامِ موصوف نے صاف فرمایا کہ جو شخص قُرآنِ پاک کو تجوید سے نہیں پڑھتا وہ گُناہ گار ہے۔ لیکن اس میں تفصیل ہے، جسے ہم آگے چل کر عرض کریں گے۔

قرآن مجید سے علمِ تجوید کا ثبوت: اس فنِ تجوید کی اس سے بڑھ کر اور فضیلت کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکے متعلق قرآن مجید میں واضح طور پر حکم فرمایا ہے: کما قال اللہ تعالی: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ (المزمل: 4) **ترجمہ:** اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر سنوار کر پڑھو۔

فائدہ: اس آیت کی تفسیر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اِن الفاظ میں منقول ہے: اَلتَّرْتِيلُ هُوَ تَجْوِيدُ الْحُرُوفِ وَمَعْرِفَةُ الْوُقُوفِ

یعنی ترتیل دو باتوں کے مجموعے کا نام ہے:

1۔ حروف کو عمدگی اور تحسین کے ساتھ ادا کرنا۔ (یہی تجوید ہے۔)[2]

و قفوں کا پہچاننا (یعنی آیت کہاں ختم ہے اور کہاں نہیں، کہاں ٹھہرنا جائز ہے اور کہاں ناجائز) مذکورہ آیت کی، مذکورہ تفسیر بڑی حد تک مُتَّفَقہ ہے۔ کسی فقیہ اور کسی مجتہد کا اس میں اختلاف نظر سے نہیں گزرا۔ اس تفسیر کی رُو سے تجوید کی فرضیّت، کلامِ الٰہی سے ثابت ہو جاتی ہے۔ جو دلائلِ قطعیّہ میں سب سے زیادہ مؤثر اور اَقویٰ (قوی ترین) ہے۔ اس صریح (واضح) حکم کے باوجود بھی اگر کوئی شخص تجوید کے خلاف ہی قرآن پڑھتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ عملی طور پر قرآن سے بغاوت کا اعلان کر رہا ہے اور قرآن کے باغیوں کا ٹھکانا کون نہیں جانتا کہ کہاں ہو گا یا کہاں ہونا چاہیے۔

بہر حال قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر اور آہستگی سے اور حروف کو خوب ظاہر کر کے کہ وہ ایک دوسرے سے واضح ہوں، یہاں تک کہ اگر حروف گننے والا شمار کرنا چاہے تو وہ اسے آسانی سے گِن سکے۔ اسی لئے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو تیز پڑھنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ تمہارے لئے ضروری ہے کہ حقائقِ آیات میں غور و فکر کرو مثلاً ذکرِ الٰہی کے وقت اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کو دل میں جگہ دو اور وعدہ و وعید میں رَجا (امید) و خوف کر سکو اور چاہئے کہ حکمِ قرآن میں خلل نہ ڈالو۔

ترتیل دَرَاصل "الرَّتْل" سے ہے، بمعنٰی شَے کا انسِیاق و انتظام (ترتیب اور ربط کے ساتھ ہونا)، اِستِقَامَت (درستگی) کے ساتھ؛ یعنی بے تکلُّف ظاہر کرنا۔ یہاں تک کہ پڑھے ہوئے حصے کو "ثَغْرٌ مُرَتَّلٌ" (قرینے سے جُڑے ہوئے دانت) سے تشبیہ دی جاتی ہے، یعنی وہ دانت جو ایک ایک ہو کر گرتے ہیں، اور اُسے دانتوں کی سفیدی سے بھی تشبیہ دی گئی ہے؛ یعنی بالکل صاف، شفاف، تیز پڑھنے والے کے لیے سیدنا عُمَر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

---

[1] (منظومة المقدمة فيما يجب على القارئ أن يعلمه (المقدمه الجزرية)، باب التجويد، 11/1، باب التجويد، دار المغني للنشر والتوزيع، الطبعة: الأولى، 1422ھ 2001م)

[2] (فتح الرحمن في تفسير القرآن، فَصْلٌ وَأَمَّا كَيْفَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟، 29/1، الناشر: دار النوادر (إصدارات وزارة الأوقاف والشُّؤون الإسلامِيّة إدَارَةُ الشُّؤُونِ الإِسلاَمِيّةِ) الطبعة: الأولى، 1430ھ 2009م)

شَرُّ الْقِرَاءَةِ الْهُذْرَمَةُ، وَشَرُّ الْكِتَابَةِ الْمُشْقُ۔[3] **ترجمہ:** بری قرأت، جلدی جلدی پڑھنا ہے اور بری کتابت جلدی لکھنا ہے۔

یہاں تک کہ پڑھے ہوئے کلام کے الفاظ ایک دوسرے کے پیچھے دانتوں اور ایک دوسرے کی درمیانی سوراخ کا فاصلہ چھوڑے ہوئے نظر آئیں۔

فائدہ: ظاہر یہ ہے کہ یہ امر عام ہے جو امّت کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ یہ امر اہم ہے جو سب کے لائق ہے۔

مسئلہ: یہ امر وُجوب کا ہے۔ جیسے اس پر تاکید دلالت کرتی ہے یا ندب (مستحب) کا ہے۔

علمِ تجوید رسول اللہ ﷺ کی نظر میں: یہ اس فَن کی خُوش قِسمتی (عظمت وشرف) ہے۔ صاحبِ "روحُ البیان" رحمۃُ اللّٰہِ علیہ نے اس آیت کے تحت لکھا کہ حضور نبیِّ کریم ﷺ بہترین مُجَوِّد (تجوید کے ساتھ تلاوت فرمانے والے) تھے، اور اسی طرح پڑھتے، جس طرح آپ پر نازل ہوا۔

اور اسی (روحُ البیان) ہی میں ہے کہ رسولُ اللہ ﷺ کی قِراءت، مد کے طور پر تھی۔ آپ "بِسْمِ اللّٰهِ"، "الرَّحْمٰنُ" اور "الرَّحِيْمِ" کو مد کے ساتھ پڑھتے تھے۔ پہلے دو "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنُ" کی مد، قَدرِ الف کے طبعی (فطری) ہیں، اور آخر "الرَّحِيْمِ" کی مد عارِضی ہے، کیونکہ وہ سُکون کے ساتھ ہے۔ اسی لیے اس میں تین وُجُوہ (صورتیں) جائز ہیں:

(۱) طُول بمقدارِ تین الف، (۲) تَوَسُّط بمقدارِ دو الف، (۳) قَصْر بمقدارِ ایک الف۔

علمِ تجوید اور اہتمامِ نبوی ﷺ: علمِ تجوید ہی وہ عِلم ہے جس کے حَلقے اور تعلیمی اِنتِظامات خود رسولُ اللہ ﷺ نے قائم فرمائے۔ قُرآن پڑھنے والے، پڑھانے والوں اور اِن دونوں کی مدد کرنے والوں کے درمیان حضورِ اکرم ﷺ نے ایک مضبوط نِظام قائم فرمایا۔ اصحابِ صُفّہ کے مُبارَک نام سے تو کوئی ناواقف نہ ہو گا؟ جنہوں نے دُنیا کے تمام عَلائق (تعلُّقات) کو مُنقَطِع (توڑ) کر دیا تھا اور جن کی زندگی کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ شب و روز قُرآنِ کریم اور اس سے مُتعلّقِ عُلوم کو حاصل کرتے رہیں۔ خَيْرُ القُرون قرنی کے دَور میں علمِ تجوید و علمُ القُرآن کا صرف چرچا ہی نہ تھا، بلکہ خود حضورِ اکرم ﷺ نے بِنَفْسِ نَفیس جن اصحابِ کرام کو پڑھایا، اُن کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمرو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم، وغیر ذالک۔

یہ سب حضرات وہ تلامِذۂ خاص ہیں، جن کو خاص زَبانِ رِسالت ﷺ سے عِلمِ تجوید حاصل ہوا، اور پھر یہی حضرات تمام کائنات (ساری مخلوق) کے لئے مُعَلِّم (استاد) بن گئے۔ اس سے مَعْلُوم (ظاہر) ہوا کہ علمِ تجوید کی اہمیت خود حُضُورِ سَرورِ کائنات ﷺ کے نزدیک بہت زیادہ تھی۔ اسی لئے اس کے تَعْلِیمی انتظامات کا زیادہ اہتمام کیا گیا تھا۔

تجوید کی لغوی و اصطلاحی تحقیق: تجوید بمعنی حُرُوف کو اُن کے مخارج میں حسین (خُوبصورت) بنا کر پڑھنا اور اُن کی صفات کے حقوق ادا کرنا ہے، جیسے جَہر، ہَمس، لِین وغیرہ۔ اور یہ بِغَیر تَکلُّف کے پڑھنا چاہیے، یعنی قراءت میں ادائے مخارج میں زیادتی کر کے مشقت کا ارتکاب اور اُس کی صفات

---

[3] (تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في تفسير الكشاف للزمخشري، سُورَة المزمل، 4/108، الحديث: 1418، دار ابن خزيمة الرياض الطبعة: الأولى، 1414هـ)

کے بیان میں مبالغہ نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ ترتیل میں تَمطِیط سے تحفظ ضروری ہے۔ تمطیط بمعنی : حد سے تجاوز (زیادتی)، اور حَدر میں اِدماج (آپس میں گھسانا) و تخلیط (ملاوٹ) نہ ہو؛ یعنی قراءت ایسی ہو کہ گویا حروف و کلمات ایک دوسرے میں لپٹے ہوئے ہیں بوجہ برابر طریق (رفتار) کی زیادتی کے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قراءت بمنزلہ بَیاض (سفیدی) کے ہے، اگر قلیل ہو تو گندم گُوں ہے، زائد ہو تو بَرَص ہے۔ گھنگریالے بالوں کے اوپر ہو تو چھوٹے بالوں کی حیثیت ہے، اس سے آگے بڑھے تو وہ قراءت ہی نہیں۔

تجوید کی اقسام:

تجوید کی تین قسم ہیں: (۱) ترتیل (۲) حدر (۳) تدویر

ترتیل : ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ قاموس (لغت) میں ہے : رَتَّلَ الْكَلَامَ تَرْتِيلًا، (یعنی) اس کی اچھی تالیف (ترتیب) و ترکیب (جوڑ) کی، اور اُس میں ٹھہر ٹھہر کر عمل کیا، اور آہستگی برتی۔ یہی وَرش، عاصِم، اور حَمزہ (رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالٰی) کا مُختار طریقہ ہے۔

ترتیل کے فضائل:

(۱) نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا جس نے تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کیا اس نے قرآن نہ سمجھا۔[4]

فائدہ: قوت القلوب میں ہے کہ اَفضل قراءت ترتیل ہے کیونکہ اس میں تدبر و تفکر ہے اور قراءت کی اَفضل ترتیل و تدبر وہ ہے جو نماز میں ہو۔[5]

(۲) حضرتِ ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا": میں سورۃُ البقرۃ کو تَرتیل سے (ٹھہر ٹھہر کر) پڑھوں، یہ مجھے اس سے زیادہ مَحبُوب (پسندیدہ) ہے اس سے کہ میں جلدی سے سالم (پورا) قرآنِ مجید ختم کرڈالوں۔[6]

(۳) نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بسم اللہ شریف کو بیس بار پڑھا، ہر بار اس میں نیا فہم اور ہر کلمہ میں کئی عُلوم تھے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو آیت میں تلاوت کروں اور اسے سمجھ کر نہ پڑھوں تو میں اس کے لئے ثواب کی امید نہیں رکھتا۔

فائدہ: بعض بزرگوں کی عادت تھی کہ جب وہ کوئی سورۃ پڑھتے لیکن سمجھتے کہ اس میں توجہ نہ تھی تو اسے دوبارہ پڑھتے۔ خلاصہ یہ کہ قرآن مجید کی تلاوت ترتیل سے ہو۔ اس لئے کہ قرآن مجید کے نزول سے حقائق کا فہم اور اس کے مقتضا پر عمل مطلوب ہے۔

سلسلۃ الذہب میں حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا:

صرف اوکن حواس جسمانی — وقف اوکن قوائے روحانی
دل بمعنی زبان بلفظ سپار — چشم برخط و نقط و نجم گذار
گوش ازو معدن جواہر کن — ہوش ازو مخزن سرائر کن
درادایش مکن زبان کج مج — حرفہائش ادا کن ازمخرج

---

[4] (شعب الإيمان، فَصْلٌ فِي مِقْدَارِ مَا تُسْتَحَبُّ فِيهِ الْقِرَاءَةُ، 480/3، الحديث: 1981، مكتبة الرشد، الطبعة: الأولى، 1423 هـ 2003 م)

[5] (قوت القلوب في معاملة المحبوب ووصف طريق المريد إلى مقام التوحيد، الفصل السادس عشر في ذكر معاملة العبد في التلاوة ووصف التالين، ذكر أحزاب القرآن وكيف حزبه الصحابة، 86/1، دار الكتب العلمية بيروت/لبنان، الطبعة: الثانية، 1426 هـ 2005 م)

[6] شعب الإيمان، فصل في إحضار القارئ قلبه ما يقرأه و التفكر فيه، 360/2، الحديث: 2040، دار الكتب العلمية – بيروت، الطبعة الأولى، 1410

ترجمہ:

(1)حواسِ جسمانی(جسم کی خواہشات) کو قرآنِ مجید پر صَرف کر،اس پر قوائے روحانی(روحانی قوتیں)وقف کر۔

(2)دل کو معنی میں اور زبان کو لفظوں کے سُپرد کر، آنکھ کو خطا اور نقطوں اور اعراب وغیرہ پر چھوڑ۔

(3)کان کو اس سے جَواہر کا خزانہ بنا،ہوش کو اس سے اَسرار(راز)کا مخزن بنا۔

(4)اس کی ادائیگی میں زبان کو ٹیڑا میڑا نہ کر،اس کے حروف مخرج سے ادا کر۔

(5)اس کی ہتک(ذلت)اور عُجلت سے دور رہ،تاَمُّل وترتیل سے مراد حاصل کر۔

فائدہ: حدر یعنی قرأت میں تیزی کرنا اور ایسی تیزی کہ جس سے کچھ سمجھ نہ آئے، یہ ممنوع ہے۔ بہارِ شریعت میں ہے کہ جلد پڑھنے کی اجازت ہے مگر ایسا پڑھے کہ سمجھ میں آسکے یعنی کم سے کم مدّ کا جو درجہ قاریوں نے رکھا ہے،اس کو ادا کرے،ورنہ حرام ہے۔اس لئے کہ ترتیل سے قرآن پڑھنے کا حکم ہے۔[8]

آج کل کے اکثر حُفّاظ اس طرح پڑھتے ہیں کہ مدّ کا ادا ہونا تو بڑی بات ہے،يَعْلَمُونَ تَعْلَمُونَ کے سوا کسی لفظ کا پتا بھی نہیں چلتا،نہ تصحیح حروف ہوتی بلکہ جلدی میں لفظ کے لفظ کھا جاتے ہیں اور اس پر تفاخُر ہوتا ہے کہ فُلاں اس قدر جلد پڑھتا ہے،حالانکہ اس طرح قرآن مجید پڑھنا سخت حرام ہے۔

قرعتہ فال بہ نام قاریان: اس بات سے کوئی انکار نہیں کرے گا کہ اگر حق تعالیٰ کسی کام کو کرنا چاہے تو یہ صورت بھی عین ممکن بلکہ تحت القدرۃ ہے کہ اَسباب ووَسائل کے بغیر اس کام کا ظُہور ہو جائے اور متعدِد مرتبہ ایسا ہو بھی چکا ہے، مگر عام عادۃُ اللہ یہ ہے کہ اَسباب سے قطعِ نظر نہیں کی جاتی۔اسی سے ہم کہتے ہیں کہ قُرّاَ وحُفّاظ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی حفاظت کے لئے چُنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر:9) **ترجمہ:** بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

فائدہ: آیہ مذکورہ میں جو وُثوق واعتماد کی شان ہے،اس سے صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم کی حفاظت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذمّہ داری کو بیان فرمایا ہے کہ کسی اور محافظ کی ضرورت نہیں،ہم اس کے محافظ خود ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اوّلین وآخرین اور موجودین بلکہ کائنات کی ساری مخلوق اس بات پر متفق ہو جائے کہ قرآن کریم کو مٹا دیا جائے اور سب مل کر اس کی عملی کوشش بھی کریں،تو خدائے کعبہ کی قسم!یہ سب ناکام رہیں گے اور قرآن ان کے مٹانے سے ہرگز نہ مٹ سکے گا۔یہ تو مطلب ہوا اللہ کے محافظ ہونے کا۔مگر نزولِ قرآن کے روزِ اوّل سے لے کر آج تک ہوتا کیا رہا ہے؟ہوتا یہ رہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے بندوں ہی میں سے کچھ لوگوں کو منتخب کر لیا ہے کہ اگر اللہ قرآن کا محافظِ حقیقی ہے،تو اللہ کے بندے محافظِ مجازی بن جائیں اسی طرح قُرآنِ کریم کی ہمَہ گُوں(ہر پہلو سے)اور ہمَہ گیر(ہر طرف پھیلنے والی،جامع) حِفاظت کے سَامان(وسائل،ذرائع)پیدا ہو جائیں۔

وہ کلامِ قدیم جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حَبیبِ پاک ﷺ پر اُتارا، آپ ﷺ کی وِراثت میں صَحابۂ کِرَام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم مُنتخَب(چُنے گئے)ہوئے۔اُن کے بعد یہ دَولت تابِعین کو پہنچی،اور اس کے بعد سے ہمیں سُپرد ہوئی۔اس کے بعد کمزُوری اور دَرماندگی(سستی)کا اظہار ہونے لگا۔ان لوگوں نے ان عُلوم وفُنُونِ

---

[7] (روح البیان،تفسیر سورۃ المزمل تحت 2 الی 4، 206/10، دار الفکر – بیروت)

[8] (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلوۃ، فصل فی القراءۃ، 541/1، دار الفکر بیروت، الطبعۃ: الثانیۃ، 1412ھ 1992م)

قُرآنی کے حَامِل بننے میں تُندَہی(محنت) سے کام نہیں لیا، جس طرح صَحابۂ کِرَام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم نے اس کو مَحنت سے حاصل کیا تھا۔اور عُلَماءِ تَبِع تابِعین نے تمام عُلوم وفُنُونِ قُرآن پر ایک ساتھ واقِف(ماہر) ہونے میں خَلَل(نقص) پیدا کر دیا۔یعنی انہوں نے عُلومِ قُرآن کی بہت سی نَوعیں(اقسام) کر ڈالیں، اور ہر ایک گروہ اُس کے فُنُون میں سے کسی ایک فَن کو سَنبھالنے پر مُتَوَجِّہ(مائل،راغب) ہو گیا۔

کسی جماعت نے قُرآن کی لُغَتوں(زبانوں) کے ضَبط(درست تحریر) کرنے، اُس کے کَلِمات کی تَحریر، اُس کے حُرُوف کے مَخَارِج(ادا کرنے کی جگہوں) اور تَعْداد ،اور اُس کے کَلِمات، آیات، سُوَر(جمع:سورت)، اَحْزاب(قرآنی تقسیمات)، اَنْصاف(نصف یعنی آدھوں)، اور اَرْباع(چوتھائی حصے) کی تعداد، اور سَجْدَہ ہائے قُرآن کا شُمار، اور دس آیتوں تک اُس کے تَعْلِیم دینے(سکھانے) کا قاعدہ، وغیرہ پر ہی توجہ دی۔ محض اُس کے مُتَشابِہ(ملتے جلتے) کَلِموں کے حَصْر(احاطہ) اور مُتَمَاثِل(مشابہ) آیات کے شُمار ہی پر اِکْتِفا کیا، اور قُرآن کے مَعَانی سے کوئی تَعَرُّض(رُخ، توجہ) نہ کیا، اور نہ اُن فُنُون پر توجہ دی جو کہ قُرآن میں وَدِیعَت(سپرد) کیے گئے تھے۔اور ان لوگوں کو "قُرّاء"(قاری حضرات) کے نام سے موسُوم(نامزد) کیا گیا۔

خدام القرآن کی اقسام: چنانچہ حُفّاظ وقُرّاء نے قرآنِ پاک کے مُقَدَّس الفاظ کی حفاظت کا بِیڑا اُٹھایا، بعض عُلَماء کرام نے اس کِتابِ الٰہی کے مَعانی کو محفوظ کر لیا، اور اہلِ فکر ونَظر(سوچنے سمجھنے والے) یعنی فُقَہاء ومُجْتَہِدین نے قرآن کے اِسْتِنْباطی(نتیجہ اخذ کرنے والے) اَسالیب(طریقے) کو محفوظ کیا۔ غَرَضیکہ خلاصہ یہ کہ خُدّامُ القرآن(قرآن کے خادموں) کی جو جماعت جس لائق(قابل) تھی، اس صَلاحِیَت(قابلیت) کے اصول پر قرآنِ کریم سے متعلقہ تمام خدمات کو سامنے رکھ کر اس کی انجام دہی(ادا کرنے) شروع کی۔ تا آں کہ(یہاں تک کہ) آخر کار اللہ کی کتاب اُسی طرح مِنْ وعَنْ(جوں کی توں) ہمارے سامنے موجود ہے، جس طرح کہ وہ نازل ہوئی تھی۔ حالانکہ چودہ صدیاں گزر چکی ہیں۔اس طویل ترین(بہت لمبے) عرصہ میں بعض سَر پھروں(نڈر وباغی لوگوں) نے قرآنِ کریم کو مِٹانے کی کوشش بھی کی، مگر قرآنِ کریم جُوں کا تُوں(اصل حالت میں) موجود ہے۔اس کے کسی ایک نُقطے اور زبر، زیر میں فرق نہیں آسکا۔یہی ہے وہ وعدۂ حفاظت کی تکمیل(پورا ہونا)، جس کا کام خُدّامِ قرآن سے لیا گیا ہے۔

مجودین کا مرتبہ: پھر تمام خُدّامُ القُرآن میں اعلیٰ اور اقدم(قدیم تر) درجۂ فضیلت اُن حضرات کا ہے جو الفاظِ قرآن کے تحفظ میں مصروف ہیں۔اس لیے کہ تمام معانی ومفاہیم(مطلب ومراد) اور اِستنباطات واِستدلالات(قرآنی نکات اخذ کرنے کے طریقے) کا مَحْور ومرکز الفاظ ہیں۔اگر الفاظ صحیح رہتے ہیں تو معانی ومفاہیم بھی اپنی جگہ درست رہتے ہیں، اور اگر اصل الفاظ ہی میں گڑبڑ ہو جائے تو معانی کی صحت کہاں قائم رہ سکتی ہے؟

علمِ تجوید اور حفاظتِ قرآن: اس تمام تر گزارش کا حاصل یہ ہوا کہ علمِ تجوید ہی وہ واحد علم ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ قرآن کا عظیم الشان کام پورا کرایا ہے اور یہی وہ علم ہے جس سے اللہ کی کتاب کا حسن وجمال اور صحت وتندرستی قائم رہتی ہے اور مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ اِس سے بڑھ کر کوئی اِفادی پہلو(فائدے کا رُخ) اِس علم کا ہو بھی نہیں سکتا۔ عُلماءِ مُحَقِّقِین نے اِس علم کی عظیم اِفادیَّت(فائدہ رسانی) کے لیے یہ کہہ کر ہمیشہ کے لیے مُحکم(پختہ) فیصلہ فرمادیا ہے کہ "علمِ تجوید" کا موضوع الفاظِ قُرآن ہیں؛ کہ اُن کا مَخرج(ادا ہونے کی جگہ) کیا ہے اور اُن کی ادائیگی کس طرح ہو؟ غرضیکہ "علمِ تجوید" کا موضوع "حُروفِ تَہَجّی "(الف،ب،ت...) ہیں، اور ظاہر ہے کہ کسی علم کے شرف ووقار کا انحصار اُس کے موضوع کی عظمت پر ہی ہوتا ہے اور قُرآن سے بڑی عظمت والا اور کون ہو سکتا ہے؟ اس لیے "تجوید" کی عظمت کا اندازہ خود لگا لیجیے۔[9]

---

[9] (تحفة السعيد في احكام التجويد. المقدمة. 3/1. المصدر: الشاملة الذهبية)

عقلی دلیل علمِ تجوید کی اہمیت پر: قرآنِ کریم کو جہاں ہم ہدایت، قانون، دستور اور منشورِ الٰہی کے القاب سے یاد کرتے ہیں، وہاں اس کی حیثیت شاہی فرمان کی بھی ہے۔ بادشاہ کی طرف سے کسی فرمان کا نافذ ہونا کسی بھی عقل کے خلاف نہیں بلکہ اس کی ضرورت کو عقلی طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ اگر بادشاہ رعایا(عوام) سے اطاعت (فرماں برداری) کا مطالبہ کرتا ہے، تو عقل کا تقاضا ہے کہ بادشاہ کو احکامِ اطاعت اور طریقِ اطاعت کا اعلان بھی ضروری ہے۔ اسی طرح عقل کا فیصلہ یہ بھی ہے کہ اگر شاہی فرمان کو پڑھنے کی ضرورت درپیش ہو، تو اس کو اُسی طرح پڑھا جائے۔ اگر شاہی فرمان کے الفاظ کو غلط پڑھا جائے گا تو یہ اس فرمان کی توہین (بے ادبی) ہو گی، جس کا تعلق براہِ راست بادشاہ کی ذات سے ہو گا۔

خُلاصہ یہ کہ، بلا تمثیل، میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ قُرآنِ کریم بھی جب "أَحۡكَمُ ٱلۡحَٰكِمِينَ" (سب سے بڑھ کر حکم دینے والے) کا فرمان ہے، تو اس کا غلط پڑھنا خُدا کی خُشنُودی کا باعث ہو گا یا غضَب و قہر (ناراضگی اور سختی) کا؟ اور (سوچنا یہ ہے کہ) اِس فرمان کے نزول کا مقصد کیا ہے، جب الفاظ کو غلط کر دینے کی صورت میں وہ منشا (ارادہ، مقصد) صحیح طور پر مغلوم کیا جا سکے گا؟ (غلط پڑھنے کے متعلق آگے آئے گا۔)

علمِ تجوید کی نفسیاتی اہمیت: نَفسیّاتی لحاظ (زاویے) سے بھی اِس مسئلہ پر غَور کر لیا جائے۔ یہ گُفتگو، طَبعِ سلیم (صحیح مزاج)، وِجدانِ صَحیح (درست فطری شعور) اور ذَوقِ کامل (اعلیٰ سلیقہ) کا لحاظ رکھتے ہوئے کی جائے گی۔ یہ اَمر کسی پر مَخفی (پوشیدہ) نہیں کہ اگر روزانہ کی بات چیت کے صحیح اَلفاظ کو دانِستہ (جان بوجھ کر) یا نادانِستہ (بلا ارادہ) غَلط اور توڑ مُوڑ کر بولا جائے، تو ہر سَمجھ دار آدمی کے کان ضرور ایذا (تکلیف) پاتے ہیں۔ اور یہ ایذا اِس قدر مُتعدّی (متاثر کرنے والی) ہوتی ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر دماغ و رُوح بھی اِس سے مُتاثّر ہوتے ہیں۔

پھر اگر یہ غَلَط پسندی (غلطی کو پسند کرنا) فوری اور وقتی ہو، تو اس سے پیدا شُدہ اذیّت (تکلیف) بھی وقتی تاثُّر (اثر) کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر یہ صورتِ حال ہنگامی (عارضی) نہیں بلکہ دَوامی (مسلسل) ہے، تو جس طرح پتّھر پر پانی کے مُسلسل تقاطُر (قطرہ قطرہ گرنے) سے سوراخ ہو جاتا ہے، اُسی طرح غَلَط تلفُّظ (ادائیگی) کی مُسلسل عادت سے قُوٰی باطِنیّہ (باطنی طاقتیں) بُری طرح مَعُوف (بے کار) ہو جاتے ہیں۔ دماغ میں کَدُورَت (گدلاہٹ)، طبیعت میں کجی پیدا ہو کر انسان کا مزاج ہی غیر مُستَقیم (ٹیڑھا) ہو جاتا ہے۔ یہ بات تو اُن اَثرات کی ہے جو ہماری روز مرّہ کی عام گفتگو سے پیدا ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں۔

علمِ تجوید کی فنیت: زمانہ اپنے ساز و سامان کے ساتھ ترقی کر چکا ہے، بلکہ ترقی کی حدّوں (سرحدوں) سے آگے نکلا جا رہا ہے۔ آج کل نئے عُلوم کا تو ذکر ہی کیا، پرانے عُلوم بھی تشکیل و ترتیب اور تالیف و تدوین (کتابت و اصلاح) کے مرحلوں سے گزر کر نئے عُلوم کی صورت میں آ رہے ہیں۔ یہی حال علمِ تجوید کا بھی ہے کہ اپنے اجمال (مختصر پن) اور اپنی مختصر شکل و صورت کے اعتبار سے یہ قدیم ترین علم ہے، لیکن تفسیرات (وضاحتیں) و تشریحات اور نو بہ نو مہذّب و مرتّب تالیفات (جدید منظم کتابوں) کی وجہ سے اب یہ علم محض علم نہیں رہا بلکہ فن (Art) بن چکا ہے۔ دنیا میں مختلف آرٹ (فن، ہنر) مروّج (رائج) ہیں، اُن میں کوئی بھی اسلامی آرٹ کہلانے کا مستحق (لائق) نہیں۔ اب یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ پیش کرنے والے فنِّ تجوید کو بطور ایک آرٹ کے پیش کر رہے ہیں، جو محض آرٹ نہیں بلکہ اسلامی آرٹ ہے۔

ثقافت: ثقافت کی قسمیں بہت سی ہیں۔ یعنی جتنے ملک ہیں، اتنی ہی ثقافتیں ہیں۔ ان کے علاوہ ایک قسم ایسی بھی ہے جس کے بارے میں تو بہت شہرت ہے باہر کا مغلوم نہیں اور وہ ہے ثقافتِ اسلامی یا اسلامی ثقافت، ثقافت والوں نے اپنے دستور و مظاہروں سے جو تاثر دیا ہے۔ اس کی روشنی میں پوری ذمہ داری اور بڑی صفائی سے عرض کرتا ہوں کہ یہ مروجّہ ثقافت، اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتی، اس ثقافت کو اسلام کے ذمّے لگانا اسلام کی انتہائی توہین ہے بلکہ یہ

ثقافت نہیں غلاظت ہے۔ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ ثقافت مختلف فنونِ لطیفہ کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اسلام اگر ثقافت کا حامی نہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اسلام فنونِ لطیفہ سے انکار کرتا ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ اول تو بلا دلیل و سبب فنونِ کثیفہ کو فنونِ لطیفہ نام دینے کا حق کسی کو نہیں۔ جن فنون کو آج لطیف کہا جاتا ہے۔ وہ اسلام کی نظر میں کثیف ہیں ۔ موقع نہیں ورنہ دلائل بھی پیش کرتا۔ دوسرے اسلام اگر فنونِ لطیفہ سے منکر ہوتا تو پھر تجوید کا کوئی وجود اس مذہب میں نہ ہوتا، یہ کوئی دیوانے، سر پھرے کی پکار نہیں بلکہ پوری ذمہ داری سے عرض کر رہا ہوں کہ تمام فنونِ لطیفہ میں فن تجوید ہی کو بلند ترین مقام حاصل ہے اور جو اس فن کا ماہر ہو گا۔ وہ آپ ہی کی زبان سے یہ اعتراف کرالے گا۔

وجہ ظاہر ہے کہ دیگر تمام فنونِ لطیفہ میں انسانی کمال و کسب ہی کو دخل ہے۔ اس لئے اُن کی پرواز محدود ہے۔ مگر فنِ تجوید میں انسانی کسب و کمال کے ساتھ ساتھ غیبی و روحانی قوّتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ اس لئے اس فن کی پرواز بھی لا محدود ہے۔

مطلب یہ ہے کہ فنونِ لطیفہ اور غلط اسلامی ثقافت کی رٹ لگانے والوں کو اگر کوئی بلند ترین آرٹ یا اسلامی ثقافت کا صحیح مظاہرہ دیکھنا ہو تو چاہیے کہ فنِ تجوید سے رابطہ پیدا کریں، اس فن کے ماہرین سے ملیں، پھر یہ فن خود حاصل کریں اور یہ ممکن نہ ہو تو حاصل کرنے والوں کی سرپرستی کریں، اُن سے پورا تعاون کریں کہ یہ اسلامی ثقافت کی بہترین خدمت ہو گی۔

ذوقِ جمال : انسان آج ذوقِ جمال کا اس قدر اسیر (غلام) ہو چکا ہے کہ وہ جائز و نا جائز کی حدود پھلانگ کر، ہر اُس شے کی طرف لپکتا ہے جو اُس کے جمال پسندانہ ذوق کو تسکین دے سکے۔

جمالیات کے دو ہی مرکز ہیں (۱) حُسنِ صورت (۲) حسن صوت یعنی آج کا نوجوان، یا اچھی صورت دیکھنا چاہتا ہے یا اچھی آواز سننا چاہتا ہے اور ان دونوں میں بھی میرا خیال ہے کہ حسنِ صوت ہی اصل ہے کہ صورت چاہے دیکھنے کو ملے یا نہ ملے مگر اچھی آواز کان میں پڑتی رہے۔

یہ ہے خلاصہ آج کے ذوقِ جمال کا جس سے ہزاروں فتنے پیدا ہو رہے ہیں۔ اگر اس کا رخ اسلام کی طرف تبدیل کر دیا جائے کہ عارضی اور مجازی جمال سے ہٹ کر حقیقی اور دائمی جمال کی طرف توجہ مبذول کی (پھیری) جائے تو یہ کتنی بڑی خدمت ہوئی اور اس سے کتنے ہی مفاسد کا خاتمہ ہو جائے گا۔

فنِ تجوید اور صوتیات: خوشی کا مقام ہے کہ یہ عظیم الشان کارنامہ بھی فنِ تجوید ہی کی بدولت اونچا ہو رہا ہے۔ تفصیل کا تو موقعہ نہیں مختصر عرض ہے۔ اس زمانہ میں صوتیات (آوازوں) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آواز کے داخلی و خارجی استعمال میں آج بے حد ترقی حاصل کی جا چکی ہے تو کیا آپ یہ خیال رکھتے ہیں کہ فنِ تجوید کو صوتیات سے کوئی تعلق نہیں، نہیں ایسا نہیں۔ اول تو خود حضور سرورِ عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ بِلُحُونِ الْعَرَبِ [10] یعنی قرآن کو عربوں کے لہجہ میں پڑھو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے: حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ [11] یعنی اپنی آوازوں سے قرآن کو حسین بناؤ۔

ان ارشادات کی روشنی میں حسنِ صوت (اچھی آواز) کا شدید ترین رابطہ (تعلق) قرآن کریم سے پیدا ہو جاتا ہے۔

---

[10] (شعب الایمان، تعظیم القرآن، فصل فی ترک التعمق فی القران، 208/4، الحدیث: 2406، مکتبۃ الرشد، الطبعۃ الأولی، 1423ھ 2003م)

[11] (شعب الایمان، تعظیم القرآن، فصل فی کراھیۃ قطع القران بمکالمۃ الناس، 461/3، الحدیث: 1955، مکتبۃ الرشد، الطبعۃ الأولی، 1423ھ 2003م)

دوسرے جن ذرائع سے یہ علم و فن منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ انہی ذرائع سے قرآن کریم میں خوش آوازی اور حسنِ صوت کا استعمال بھی منقول چلا آ رہا ہے۔

موسیقی اور تجوید: موسیقی میں آپ کو صرف زیر و بم یا دو باب (سُر کی تبدیلی) کا ہیر پھیر مَسْمُوع (سنائی دینے والا) ہو گا، مگر فنِ تجوید میں صحتِ مخارج (الفاظ کے نکلنے کے درست مقام)، دُرستیِ صفات، تحفُّظِ اصول (قواعد کی حفاظت) اور حُسنِ صوت (آواز کی خوبصورتی) کا ایسا حسین امتزاج ملے گا، جس کو سُن کر اگر آپ اللہ والے نہ بھی ہوں، تب بھی بے انتہا کیف (لذّت) اور لُطف محسوس کریں گے۔ علاوہ ازیں، آپ تلوُّنِ آواز (آواز کا اتار چڑھاؤ) اور تنوُّعِ صوت (آواز کی گوناگونی) کے لحاظ سے بھی فنِ تجوید کو بڑی بُلندی پر پائیں گے۔ چُناں چہ اس فن کے ماہرین سے آپ قُرآنِ پاک کو مختلف لہجوں اور متعدد دلکش اندازہائے قِرأت میں سُن کر اس فیصلے پر پہنچیں گے، کہ جو لوگ اس باقی اور داعیِ کیف و لذّت (بلانے والے لطف) کو چھوڑ کر راگ رنگ کے فانی (عارضی) اثرات کو قبول کر رہے ہیں، وہ ہر گز دانش مند نہیں کہلائے جاسکتے، بلکہ ایسے لوگ زندگی بڑے خَسارے (نقصان) کے ساتھ گزار رہے ہیں۔

مختلف لہجے: اساتذہ تجوید و قرات کے یہاں اکثر و بیشتر جو ہے عموماً مروّج ہیں۔ وہ یہ ہیں:

(۱) حسینی (۲) مصری (۳) حجازی (۴) عراقی وغیرہ اور بعض ماہرین کے یہاں ان کے مخصوص حلقوں میں حسبِ ذیل لہجے بھی رائج ہیں:

(۱) حسینی عجمی (۲) مصری قدیم مفرد (۳) مصری جدید (۴) حسینی عربی (۵) حجازی مفرد (۶) حجازی مرکب

(۷) مصری قدیم مرکب (۸) محطاء عربی (۹) محطاء مصری (۱۰) راست (۱۱) مایا یار کبی (۱۲) عربی (۱۳) عراقی

(۱۴) بغدادی (۱۵) بنامیٰ (۱۶) دوثین (۱۷) مناجاتی (۱۸) سیکا (۱۹) بُرھیا کا اور (۲۰) فقیری وغیرہ وغیرہ۔

انکی تفصیل اور اِطوار ادائیگی (ادائیگی کے طریقے) کو ماہرینِ فنِ تجوید سے سمجھا جاسکتا ہے۔

فائدہ: علمِ تجوید کی اہمیت کے پیشِ نظر تین دن سے کم میں قرآن کا ختم خلافِ اَولیٰ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے تین رات سے کم میں قرآن پڑھا اس نے سمجھا نہیں۔[12]

شبینہ کا عدمِ جواز: بعض صاحبان (ساتھیوں) نے شبینہ کا عدمِ جواز، اس روایت سے ثابت کیا ہے۔ یہ انکی غلط فہمی ہے، اس لئے کہ تین دن سے کم میں ختم کرنے کی مُمانَعت فردِ واحد (ایک شخص) کے لئے ہے۔ اگر ایک سے زائد (اشخاص) مل کر تین دن سے کم بلکہ اس سے بھی تھوڑے وقت میں ختم کریں تو اس حدیث شریف کے خلاف نہیں، بشرطیکہ پڑھنے میں عُجلَت نہ ہو اور نہ ہی اُصولِ تلاوت کے خلاف ہو۔ بلکہ اَسلاف صالحین میں سے تو بعض بزرگ اتنا قلیل (تھوڑے) وقت میں متعدّد قرآن مجید کے ختم فرمالیتے تھے۔ چنانچہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

فائدہ: مروی ہے کہ امتِ مصطفوی (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) میں چار بزرگ ایسے گزرے ہیں جو ایک رکعت میں تمام قرآن مجید ختم کرتے تھے۔

(۱) حضرت عثمان بن عفان (۲) حضرت تمیم الداری (۳) حضرت سعید بن جبیر (۴) حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم۔

(2) حضرت ہمسر بن المنہال ایک ماہ میں قرآن کے نوے (۹۰) ختم کرتے تھے اور جو آیت سمجھ کر نہ پڑھی گئی تو اسے دوبارہ پڑھتے۔

---

[12] (شعب الإيمان، تعظيم القرآن، فَصْلٌ فِي مِقْدَارِ مَا تُسْتَحَبُّ فِيهِ الْقِرَاءَةُ، 3/480، الحديث: 1981، مكتبة الرشد، الطبعة: الأولى، 1423 هـ 2003 م)

(3)القاموس میں ہے کہ ابوالحسن علی بن عبد اللہ ساداں بن البتنی عربی مقری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دن میں چار قرآن مجید ختم کرتے تھے اور یہ حدر (ذرا سا تیز تیز پڑھنا) تلاوت فہمی کے ساتھ ہوتا تھا۔[13]

آٹھ پہر میں ستر ہزار بار قرآن ختم کیا: حضرت الشیخ موسی السدرانی رحمۃ اللہ علیہ اکابرِ اصحاب، الشیخ ابی مدین رضی اللہ عنہ سے انہی کے مَناقب میں مروی ہے کہ آپ کے اَوراد (وظائف) میں ایک وِرد یہ تھا کہ آپ دن اور رات میں ستر ہزار ختم کرتے تھے۔ (یہ کرامت اسی قبیل سے ہے جیسے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے لئے مشہور ہے اور وہ معجزہ جو حضرت داؤد علیہ السلام کا مشہور ہے۔) تفصیل فقیر کی کتاب "شبینہ" میں پڑھیے۔

کرامت: معجزہ کا خلاصہ یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام زبور اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ (قرآن) تھوڑے وقت میں تمام پڑھ لیتے تھے۔

فائدہ: اس کی توجیہہ (صورت) یوں ہو سکتی ہے کہ دن ورات کے آٹھ گھنٹے ہیں، اس کے ہر ایک بارہ گھنٹوں میں پینتیس (۳۵) ختم ہوتے ہیں۔ اس کے لئے یوں ہو گا کہ اس کا ہر دن اور ہر رات تینتالیس (۴۳) سال اور نو (۹) ماہ کے ہو جاتے ہوں گے یا اس سے بھی زائد (یہ طے زمان کے قبیل سے ہے۔) بر تقدیرِ اول (پہلی صورت کے حساب سے) دن اور رات ستاسی (۸۷) سال اور چھ (۶) ماہ کے ہو جاتے ہونگے، ان سالوں کے حساب سے ان کا ایک ختم دن کو اور دوسرا ختم رات کو ہوتا ہو گا جیسا کہ عام عادت ہے یہ احتمال سُرعۃ القاری کے اعتبار سے کم سے کم ہے (اس زائد کو خدا جانے)۔

- حدر ابنِ عامر والکسائی کا مختار ہے۔ یعنی ذرا سا تیز تیز پڑھنا۔

یہ مراتب المدود سے متصوّر ہو سکتا ہے یعنی تیزی ایسی نہ ہو جس سے معنی والفاظ بگڑ جائیں۔

حدیث شریف میں ہے: "بہت سے قرآن پڑھنے والوں پر، قرآن لعنت بھیجتا ہے۔"[14]

فائدہ: یہ اس کے لئے ہے جو قرآن کے معانی والفاظ میں خلل ڈالتا ہے یا قرآن اس پر لعنت کرتا ہے جو اس پر عمل نہیں کرتا۔

فائدہ: حدر سمجھ نہیں آئے گا جب تک لحن کی تحقیق معلوم نہ ہو۔ لحن کی دو قسم ہے: (۱) جلی (۲) خفی

لحنِ جلی وہ خطا ہے جو الفاظ کو عارض ہوتا اور معنی میں خلل ڈالتا ہے مثلا ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا جیسے الصالحات کے بجائے الطالحات پڑھ دے۔ ایسے ہی اِعراب (زبر، زیر، پیش) کی غلطی مثلاً مجرور (زیر) کو مرفوع (پیش) یا منصوب (زبر) پڑھنا۔ اس سے معنی تبدیل ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو جیسے کوئی إِنَّ ٱللَّهَ بَرِيٓءٞ مِّنَ ٱلۡمُشۡرِكِينَ وَرَسُولُهُۥ میں رسوله کو مجرور پڑھ دے۔[15]

اور لَحنِ خَفی یہ وہ خَطاء ہے جس سے عُرف وضابطہ میں خَلَل (بگاڑ) آجائے، جیسے: اِخفاء، اِدغام، اِظہار و قلب کا ترک، اور جیسے: مُفَخَّم (موٹے) و مُرَقَّق (باریک) (لفظِ پُر کو غیر پُر پڑھنا)، ایسے ہی مُرَقَّق کو مُفَخَّم پڑھنا، اور "محدود" کو "مقصُود" پڑھنا، وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ اُمور وہ فَرضِ عَین (لازمی عمل) نہیں جن کے ترک سے عَذاب یا عِقابِ شَدید (سخت سزا) مُرَتَّب ہوتا ہے۔ ہاں، اس میں تہدید (ڈانٹ ڈپٹ) اور خَوفِ عِقاب (سزا کا اندیشہ) ضرور ہے۔

---

[13] (روح البیان، سورۃ المزمل: 2 إلى 4، 206/10، دار الفكر بيروت)

[14] (غرائب القرآن ورغائب الفرقان، تفسير سورة الفاتحة، 74/1، دار الكتب العلميه – بيروت، الطبعة: الأولى 1416 ھ)

[15] (فتح ذي الجلال بشرح تحفة الأطفال في التجويد، المبحث الثالث اللحن، 15/1، الشاملة الذهبية)

فائدہ: بعض نے کہا کہ لحنِ خفی یہ ہے کہ جسے ماہرینِ قُرّاء کے سوا اور کوئی نہ جانتا ہو، جیسے: تَکرِیرُ الرّاءَاتِ، تَطنِینُ النُّونَاتِ، تَغلِیظُ لِلَّامَاتِ، تَرقِیقُ الرّاءَاتِ اِن کے غیر محل میں[16]۔ ظاہر ہے کہ یہ فرضِ عین نہیں، تو اسی لیے ان کے مرتکب پر عقاب مُرتّب نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں تکلیفُ مَا لَایُطَاقُ (ناقابلِ برداشت مشقت) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ:286)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

دورِ حاضرہ کے قاریوں کا رد: بعض شُروحِ الطَّریقَۃ میں ہے کہ یہ بہت بڑا فِتنہ (آزمائش) ہے کہ قاری دیہاتیوں، صَحرا نشینوں (صحرا میں رہنے والوں)، بُوڑھوں، غلاموں، اور لونڈیوں کو کہے کہ تجوید کے بغیر نماز جائز نہیں، حالانکہ تجوید ایسے لوگوں کے بَس سے بالکُل باہر ہے۔

مسئلہ: واجب ہے کہ تجوید اس قدر سیکھ لے کہ جس سے قرآن کا لفظ و معنی صحیح ہو سکے، زیادہ کوشش خلوص و حضور القلب میں ہونی چاہئیے۔

لعنت است این که بیرلهجه وصوت — و شوق از تو حضور خاطر فوت
فکر حسن غنا برد هوشت — متکلم شود فراموشت
لعنت است این که ساعت زد پے عیم — و روز و شب با امیرو خواجه ندیم
لعنت است این که همت تو تمام — پید کنت معروف لفظ و حرف و کلام
نقد عمرت زفکرت معوج — خرج شد دررعایت مخرج
صرف کردی همه حیات سره — هو درقراآت سبعه وعشره
بچهیں هرچه ازکلام خدا — جز خدا قبله ، ولست ترا
موجب لعن دماء ته طرد است — و جند ا مقبلی که زان فردست
معنی این چیست مردودی — بمقامات بعد خشنودی
هرکه ماند ازخدا بیک سرمو — آمد اندرمقام بعد خرو
گرچه ملعون نشد زحق مطلق — بست ملعون بقدر ازحق[17]

ترجمہ:

i. لعنت ہے تم پر اگر تلاوتِ قرآن میں صرف لہجہ اور اچھی آواز سنوارنے سے تجھ سے حضورِ قلب فوت ہو جاتا ہے۔

ii. خوش آوازی کی فکر نے تیرے ہوش اڑا دیئے، تجھ کو کام والے (صاحبِ قرآن) بھول جاتا ہے۔

iii. تُجھ پر لَعنَت کہ تُجھے ذَرّو سیم (مال و دولت) کی لالچ نے اَمیر اور دُنیادار کا ہَمنَشین (ساتھی) بنا دیا۔

iv. تجھ پر لعنت کہ تیری تمام ہمّت لفظ و حروف و کلام میں مصروف ہو گئی۔

v. نَقدِ عُمر (قیمتی زندگی) کو تُو نے ٹیڑھی فِکر (گمراہ کن سوچ) میں ضائع کر دیا، یا صرف مخارجِ حُروف کی رِعایت پر تیری زِندگی صَرف (خرچ) ہو گئی۔

vi. تمام زندگی تو نے قرأۃِ سبعۂ عشرہ میں صرف کر دی۔

vii. ایسے ہی کلامِ خدا سے تیرے دل کا قبلہ غیرِ خدا ہے۔

---

[16] (فتح ذي الجلال بشرح تحفة الأطفال في التجويد، المبحث الثالث اللحن، 15/1، الشاملة الذهبية)

[17] (روح البيان، تفسير سورة المزمل تحت 30 الى 34، 26/8، دار الفكر – بيروت)

viii. ہزار بار لعنت و پھٹکار کا موجب (مستحق) ہے جو مذکورہ بالا طریق پر زندگی گذارتا ہے اور مبارک ہو اس مقبولِ خدا کو جو اس طریق سے علیحدہ ہے۔

ix. مردود ہونے کا کیا معنی ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دوری میں خوشی ہو۔

x. جو اللہ تعالیٰ سے بال برابر دور ہے اسے مقامِ بُعد (دوری) میں لذت حاصل ہوتی ہے۔

xi. اگرچہ ایسا آدمی حقیقی لعنتی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے دوری کی وجہ سے ملعون (دور از رحمت) ضرور ہے بقدرِ بُعد (دوری کے مطابق)

قاری حضرات کو انتباہ: بعض قاری حضرات اپنی قرأت اور سُریلی آواز کے گھمنڈ میں دوسروں کو کچھ نہیں سمجھتے یہاں تک کہ علماء کرام کو بھی خاطر میں نہیں لاتے یہ انکی بد قسمتی کی دلیل ہے۔ مانا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو دولتِ تجوید اور سُریلی آواز سے نوازا ہے لیکن آپکو یہ حق نہیں پہنچتا کہ آپ اپنے سوا کسی کو کچھ نہ سمجھیں۔ کہاں تم، کہاں علماء کرام، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس علم سے نوازا ہے جو تمہارا علمِ تجوید اسکے عُلوم کا ایک شعبہ ہے۔ اس لئے ان پر طعن و تشنیع برا عمل ہے بہت سے جاہل قاری، علماء کرام کی قرأت سُن کر کہتے ہیں ان کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔ بلکہ کوئی معروف کے بجائے مجہول قراءت پڑھتا ہے تو بھی یہ صاحبان فتویٰ بازی کرتے ہیں۔ ایسی بری حرکت سے خود کو بچائیں ورنہ فائدہ کے بجائے گھاٹے کا سودا ہو گا۔

تجوید کی فضیلت کا آخری اور حتمی فیصلہ: قرآن مجید کی تلاوت کے بیشمار فضائل و برکات ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت میں قرآن کے پڑھنے والے کو لایا جائے گا اور اسے بَہِشت (جنت) کے پہلے درجہ میں کھڑا کر کے کہا جائے گا پڑھ اور اسی طرح ترتیل سے پڑھ جیسے تو دنیا میں ترتیل کرتا تھا کیونکہ تیرا مرتبہ بہشت میں آخری آیت پر ہو گا۔[18]

اس طرح کے مراتب و کمالات تب نصیب ہونگے جب قرآن پاک کو صحیح طریق سے پڑھا جائے گا۔ اگر غلط پڑھیگا تو الٹا نقصان ہو گا، اسی لئے چاہئے کہ قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کی کوشش کرے حسبِ امکان (جس قدر ممکن ہو) صحیح مخارج وغیرہ کی کسی اچھے حافظ قاری صاحب سے اصلاح کرائے۔ قرآن پاک کو صحیح پڑھنے سے خیر و برکت، اجر و ثواب، فوز و فلاح، نور اور رفع، درجات و مراتب کا حاصل ہونا ایک یقینی امر ہے۔ زبانِ رسالت ﷺ سے ان تمام امور کا بارہا اعلان ہوا ہے۔ گویا دیگر امور سے قطعِ نظر، صرف الفاظِ قرأت ساتھ پڑھنا ہی باطنی تسکین اور مراتبِ روحانیہ کی تکمیل کا ذریعہ ہے جو اس سے زیادہ کرے گا زیادہ پائے گا۔

غلط پڑھنے کے نتائجِ بد: اس کے برعکس، قُرآنِ مجید کو غلط پڑھنا، خاص کر دانستہ طور پر (جان بوجھ کر) غلط پڑھنا، گویا نکبَت و اَدبار (ذِلّت و رُسوائی) کو اپنے اوپر دعوت دینا ہے، قَہرِ الٰہی کو آمادۂ نُزول (اترنے کے لیے تیار) کرنا ہے، قَحط و اَفلاس (فاقہ و غربت) کو اپنے اوپر مُسلّط کرنا ہے، امراض و بَلیّات (بیماریاں اور آفات) میں شدید طور پر مُبتلا ہونا ہے، اور یہ سب کچھ نصوصِ آثار سے ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اب ظُلمت (اندھیرا) کے سامنے دو راستے ہیں:

فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (الکھف:29) **ترجمہ:** تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

غلط قرآن پڑھنے کی ایک اور نحوست: قرآن کریم کے الفاظ کو غلط پڑھنے کا ایک لازمی بُرا نتیجہ یہ بھی ہے کہ انسان آہستہ آہستہ قرآنی برکات سے دور ہوتا چلا جاتا اور ایسے ایسے دماغی و قلبی اَمراض میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جن کا علاج آج کل کی ترقی یافتہ سائنسی دنیا میں بھی معلوم نہیں کیا جا سکا۔ جیسا کہ باخبر حضرات اس کو خود بھی جانتے ہیں۔

---

[18] (المعجم الأوسط، باب الميم من اسمه محمد، 51/6، الحديث:5764، دار الحرمين القاهرة)

لطیفہ: قرآن کریم کے الفاظ کو غلط پڑھنے کا یا تو یہ اثر ہو گا کہ سِرے سے معنی ہی بدل جائیں گے۔ تیسرے پارے کے شروع میں ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ فرمائے گا؟ اللہ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر ایمان نہیں رکھتے؟ کیا تمہیں اس کا یقین نہیں؟ عرض کیا: کیوں نہیں وَ لٰكِنْ لِّيَطْمَىٕنَّ قَلْبِيْ (البقرۃ: 260) "یعنی مگر میں اپنے دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔" اب اگر آپ قلبی میں دو نقطوں والا قاف نہیں پڑھتے بلکہ چھوٹا کاف لگا دیتے ہیں تو معنی یوں ہو جائیں گے کہ "میں چاہتا ہوں کہ میرا کتا مطمئن ہو جائے۔" اب آپ ہی فرمائیں کہ یہ قرآن میں تحریف ہوئی یا نہیں؟ جو لوگ اب بھی بے فکر ہیں اور قرآن صحیح کرنے کا اُن کو خیال بھی کبھی نہیں آتا تو اُنہیں اپنی عاقبت (انجام) کا خیال کرنا چاہئے یا قرآن کو غلط پڑھنے کا یہ اثر ہو گا کہ جو الفاظ بامعانی تھے وہ بے معنی اور مُہمل ہو کر رہ جائیں گے اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ یہ تحریف ہی کے مترادف ہو گا۔

مسائلِ تلاوت: قرآن مجید کی تلاوت سِراً (آہستہ آواز میں) و جہراً (بلند آواز میں) ہر طرح جائز ہے لیکن جہاں دوسرے لوگ قریب ہوں وہاں سراً پڑھنا ضروری ہے۔ ہاں اکیلا ہو اور دیگر عوارضِ شرعیہ نہ ہوں تو بالجہر تلاوت بہتر ہے۔

جہر بالقرآن کے فضائل: قرآن کو جہر سے پڑھنے پر سات نیتیں کر لی جائیں۔

(۱) ترتیل جس کا وہ مامور (حکوم) ہے۔

(۲) قرآن اچھی آواز سے پڑھنا مندوب (مستحب) ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کو اچھی آوازوں سے مُزیَّن کرو۔[19]

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا: وہ ہمارے سے نہیں جو قرآن سے غِناء نہیں کرتا یعنی اچھی آواز سے نہیں پڑھتا۔[20]

غناء کا معنی: اچھی آواز سے پڑھنے کا مطلب ہے۔ یہ اس سے بہتر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ غناء سے مراد استغناء ہے یعنی قرآن مجید پڑھ کر صرف اللہ تعالیٰ پر سہارا (اعتماد) کرے کسی دنیا والے پر سہارا نہ ہو۔

(۳) دونوں کانوں کو قرآن سُنائے گا اور دل کو بیدار کرے گا تاکہ کلامِ الٰہی میں تدبّر کیا جا سکے اور معانی کو سمجھا جا سکے یہ سب کچھ جہر سے ہو گا۔[21]

(۴) اونچی آواز سے نیند کو ہٹائے گا۔

(۵) کوئی نیند سے اٹھ کر ذکرِ الٰہی کرے گا اس کی بیداری اور ذکر کرنے کا سبب اس کی تلاوتِ قرآن بالجہر ہو گا۔[22]

(۶) کوئی بَطّال (سُست و کاہل) و غافِل (بے خبر) اُسے دیکھے گا، تو وہ بھی قِیامُ اللَّیل (رات کے وقت عبادت) کے لئے خوشی سے اُٹھے گا اور خِدْمَت (عبادت و اطاعت) کا مُشتاق (خواہش مند) ہو گا۔ اس طرح سے یہ اُس کا نیکی و تقویٰ (پرہیزگاری) پر مُعاوِن (مددگار) ہوا۔

(۷) بِالْجَہرِ تلاوت بِکَثْرَت (کثرت سے) ہو گی، اور وہ اس طرح سے قِیامُ اللَّیل کی عادَت بَنائے گا۔ (قوت القلوب)[23]

---

19) (سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب في حسن الصوت بالقران، 426/1، الحديث: 1342، دار إحياء الكتب العربية)

20) (سنن ابي داود، ابواب فضائل القران، باب كيف يستحب الترتيل في القراءة، 595/2، الحديث: 1469، دار الرسالة العالمية الطبعة: الأولى، 1430ھ 2009م

21) (قوت القلوب في معاملة المحبوب ووصف طريق المريد إلى مقام التوحيد، الفصل التاسع عشر كتاب الجهر بالقران، فصل مافي ذالك من النيات، 111/1، دار الكتب العلمية)

22) (قوت القلوب في معاملة المحبوب ووصف طريق المريد إلى مقام التوحيد، الفصل التاسع عشر كتاب الجهر بالقران، فصل مافي ذالك من النيات، 111/1، دار الكتب العلمية)

23) (قوت القلوب في معاملة المحبوب ووصف طريق المريد إلى مقام التوحيد، الفصل التاسع عشر كتاب الجهر بالقران، فصل مافي ذالك من النيات، 111/1، دار الكتب العلمية)

فائدہ: اس طرح سے اس کے اعمال کی کثرت ہو گی جب تلاوت کرنے والے کی اتنی نیّات ہوں تو ثواب بھی اتنا ملے گا اس لئے اس کا اَفضل عمل قرآن بالجہر ہے کیونکہ اس میں اعمالِ کثیرہ ہوں گے اور کثرتِ نیّات سے کثرتِ اعمال ہو سکتے ہیں۔

فائدہ: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب کہیں جمع ہوتے تو ان میں کسی کو قرآن پڑھنے کا حکم فرماتے اور مجتمع ہو کر قرآن سنتے۔

مسئلہ: شرح الترغیب میں ہے کہ قرآن با الحان پڑھنے میں آئمہ کا اختلاف ہے، امام مالک اور جمہور کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ الحان سے قرآن کے نزول کے مطابق نہ ہو گا اور نہ ہی خشوع ہو گا، الحان سے سمجھنا آسان نہ ہو گا لیکن امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک الحان مباح ہے ایسے محدثینِ اسلاف کی جماعت بھی۔ اس لئے کہ یہ رقّت کا سبب اور خشیتِ الٰہی کو ابھارنے والا ہے۔

مسئلہ: قرآن پڑھنے میں آواز کو حسین اور مُزیّن بنانا، مستحب ہے بشرطیکہ نقصان کر کے حد القرأت سے نکل جائے۔

مسئلہ: اگر قُرآن میں اِفراط کیا (حد سے بڑھا)، یہاں تک کہ کوئی حَرف بَڑھا دیا یا اِخفاء بَڑھا دیا، تو ایسا اَلحان حَرام ہے۔ (روح البیان)[24]

قرأۃ فی الصلوۃ کے مسائل

تتمہ کے طور چند مسائل از بہارِ شریعت شریف سے عرض کر دوں تا کہ نماز میں قرأتِ قرآن میں غلطی واقع نہ ہو۔ حضرت علامہ حکیم امجد علی صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس باب میں قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ اگر ایسی غلطی ہوئی جس سے معنی بگڑ گئے نماز فاسد ہو گئی ورنہ نہیں۔

مسئلہ: اعرابی غلطیاں اگر ایسی ہوں جن سے معنی نہ بگڑتے ہوں تو مُفسِد نہیں۔ مثلاً "لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتِكُمْ ، نَعْبُدُ" اور اگر اتنا تغیر ہو کہ اس کا اعتقاداً اور قصداً پڑھنا کفر ہو تو اَحْوَط (زیادہ احتیاط) یہ ہے کہ اِعادہ کرے (لاٹائے) مثلاً "وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى" (طٰہٰ:121) میں میم کو زبر اور ب کو پیش پڑھ دیا اور "اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" (فاطر:28) میں اسمِ جلالت (لفظِ اللہ) کو رفع اور العلماء کو زبر پڑھا اور "فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ" (النمل:58) میں ذال کو زیر پڑھا "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" (الفاتحۃ:4) میں کاف کو زیر پڑھا اور "اَلْمُصَوِّرُ" (الحشر:24) کے واؤ کو زبر پڑھا۔ (ردالمحتار، عالمگیری)

مسئلہ: تشدید کو تخفیف پڑھا جیسے "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" (الفاتحۃ:4) میں ی پر تشدید نہ پڑھی "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (الفاتحۃ:1) میں ب پر تشدید نہ پڑھی "قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا" (الأحزاب:61) میں ت پر تشدید نہ پڑھی نماز ہو گئی۔ (عالمگیری، ردالمحتار)

مسئلہ: مخفّف کو مشدّد پڑھا جیسے "فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ" (الزمر:32) میں ذال کو تشدید کے ساتھ پڑھا یا ترکِ ادغام کیا۔ جیسے "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ" (الفاتحۃ:5) میں لام ظاہر کیا۔ نماز ہو جائے گی۔ (عالمگیری، ردالمحتار)

مسئلہ: حرف زیادہ کرنے سے اگر معنی نہ بگڑیں نماز فاسد نہ ہو گی جیسے "وَاِنَّهٗ عَنِ الْمُنْكَرِ" (لقمان:17) میں ر کے بعد ی زیادہ "هُمُ الَّذِيْنَ" (المنافقون:7) میں میم کو جزم کر کے الف ظاہر کیا اور اگر معنی فاسد ہو جائیں جیسے "وَّزَرَابِيُّ" (الغاشیۃ:16) کو زَرَابِيْبَ ، "مَّثَانِيَ" (الزمر:23) کو مثانین پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (عالمگیری)

---

[24] (روح البیان، سورۃ الفرقان تحت ایات 72، 6/251، دار الفکر بیروت)

مسئلہ: کسی حرف کو دوسرے کلمہ کے ساتھ وصل کر(ملا) دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ جیسے اِیَّاکَ نَعْبُدُ۔ یوں ہی کلمہ کے بعض حرف کو قطع کرنا (چھوڑ دینا) بھی مُفسِد نہیں ۔ یوں ہی وقف و ابتداء کا بے موقع ہونا بھی مفسد نہیں اگر چہ وقف لازم ہو مثلاً" اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ"(البروج:11)پر وقف کیا، پھر پڑھا "اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ"(البینۃ:7)یا اَصْحٰبُ النَّارِ"(الحشر:2)پر وقف نہ کیا اور" اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ"(المؤمن:7)پڑھ دیااور"شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ"(آل عمران:18)پر وقف کرکے اِلَّا ھُوَ پھر پڑھا۔ان سب صورتوں میں نماز ہو جائے گی مگر ایسا کرنا بہت قبیح(برا) ہے۔(عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: کوئی کلمہ زیادہ کر دیاتووہ کلمہ قرآن میں ہے یانہیں اور بہر صورت معنی کافساد ہوتا ہے یانہیں اگر معنی فاسد ہو جائیں گے تو نماز جاتی رہے گی۔ جیسے "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَفَرُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ" اور"اِنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَجَمَالًا"-اوراگر معنی متغیر نہ ہوں توفاسدنہ ہوگی۔اگرچہ قرآن میں اس کی مثل نہ ہو جیسے"اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا" اور"فِیْھَا فَاکِھَۃٌ وَّنَخْلٌ وَّتُفَّاحٌ وَّرُمَّانٌ"
(عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: کسی کلمہ کو چھوڑ گیااور معنی فاسدنہ ہوئے جیسے "وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا" (الشوري:40)،میں دوسرے "سَیِّئَۃٌ" کونہ پڑھاتونماز فاسدنہ ہوئی اوراگراس کی وجہ سے معنی فاسدہوں ہے "فَمَا لَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ"(الانشقاق:20)میں"لَا"نہ پڑھاجائے تونماز فاسدہوگئی۔(رد المحتار)

مسئلہ: کوئی حرف کم کر دیااور معنی فاسدہوں جیسے "خَلَقْنَا"بِلا(بغیر)"خ"کے اور "جَعَلْنَا"بغیر"جیم"کے تونماز فاسدہو جائے گی اوراگر معنی فاسدنہ ہوں مثلاًبَروجہِ ترخیم شرائط کے ساتھ حذف کیاجیسے "یَا مَالِکُ"میں"یَا مَالُ"پڑھاتوفاسدنہ ہوگی یونہی"تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا"،میں"تعالَ"پڑھا۔ہو جائے گی۔(عالمگیری،ردالمحتار)

مسئلہ: ایک لفظ کے بدلے میں دوسرالفظ پڑھا۔اگر معنی فاسدنہ ہوں نماز ہو جائے گی جیسے "عَلِیْمٌ" کی جگہ "حَکِیْمٌ" اوراگر معنی فاسدہوں، نمازنہ ہوگی جیسے "وَعْدًا عَلَیْنَا ط اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَ"(الأنبیاء: 104)،میں"فٰعِلِیْنَ" کی جگہ "غٰعِلِیْنَ"پڑھا۔اگرنسب میں غلطی کی اور منسوب الیہ قرآن میں نہیں ہے۔نماز فاسدہوگی جیسے "مَرْیَمُ ابْنَۃُ غَیْلَانَ"اور قرآن میں ہے توفاسدنہ ہوئی جیسے "مَرْیَمُ ابْنَۃُ لُقْمَانَ"۔(عالمگیری)

مسئلہ: حروف کی تقدیم وتاخیر میں بھی اگر معنی فاسدہوں، نماز فاسدہے ورنہ نہیں۔ جیسے "قَسْوَرَۃٍ"(المدثر: 51)کو"قَوْسَرَۃٍ"پڑھا"عَصْفٍ"کی جگہ "عَفْصٍ"پڑھافاسدہوگئی اور"اِنْفَجَرَتْ"کو "اِنْفَرَجَتْ"پڑھاتونہیں۔یہی حکم کلمہ کی تقدیم وتاخیر کاہے جیسے " لَھُمْ فِیْھَا زَفِیْرٌ وَّشَھِیْقٌ"(ھود: 106)میں"شَھِیْقٌ"کو"زَفِیْرٌ" پر مقدّم کیا۔فاسدنہ ہوئی اور"اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ "پڑھا،فاسدہوگئی۔(عالمگیری)

مسئلہ: ایک آیت کودوسری(آیت) کی جگہ پڑھا۔اگرپوراوقف کرچکاہے تونماز فاسدنہ ہوئی جیسے "وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ"(العصر: 1تا2)پر وقف کر کے "اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ"(المطففین: 22)پڑھایا"اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْاوَعَمِلُواالصّٰلِحٰتِ"پر وقف کیا پھر پڑھا"اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ" (البینۃ:6) نماز ہوگئی اوراگر وقف نہ کیاتو معنی متغیر ہونے کی صورت میں نماز فاسدہو جائے گی جیسے یہی مثال ورنہ نہیں جیسے "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ"(الکھف:107)کی جگہ "فَلَھُمْ جَزَآءُ نِ الْحُسْنٰی"پڑھا،نماز ہوگئی۔(عالمگیری)

مسئلہ: کسی کلمہ کو مکرّر پڑھا تو معنی فاسد ہونے کی صورت میں نماز فاسد ہو گی جیسے " رَبِّ رَبِّ ٱلْعَالَمِينَ مَلِكِ مَلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ" جب کہ بقصد (ارادے کے ساتھ) اضافت پڑھا ہو یعنی رب کا رب مالک کا مالک۔ اور اگر بقصد صحیح مخارج مکرّر کیا یا بغیر قصد زبان سے مکرّر ہو گیا یا کچھ بھی قصد نہ کیا تو ان سب صورتوں میں نماز فاسد نہ ہو گی۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنا اگر اس وجہ سے ہے کہ اس کی زبان سے وہ حرف ادا نہیں ہوتا تو مجبور ہے اس پر کوشش کرنا ضروری ہے اگر لاپرواہی سے ہے جیسے آج کل کے اکثر حفاظ دعلما کہ ادا کرنے پر قادر ہیں مگر بے خیالی میں حرف تبدیل کر دیتے ہیں تو اگر معنی فاسد ہوں تو نماز نہ ہوئی ۔اس قسم کی جتنی نمازیں پڑھیں ہوں ان کی قضالازم۔اس کی تفصیل باب الامامت میں مذکور ہو گی۔

مسئلہ: طت، س ث ص، ذزظ، اءع، ہ ح، ض ذظ، ان حرفوں میں صحیح طور پر امتیاز رکھیں ورنہ معنی فاسد ہونے کی صورت میں نماز نہ ہو گی اور بعض توس، ش، ز، ج، ق، ک میں بھی فرق نہیں کرتے۔

مسئلہ: مد، غنہ، اظہار، اخفاء، امالہ بے موقع پڑھا یا جہاں پڑھنا ہے، نہ پڑھا تو نماز ہو جائے گی۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: لحن کے ساتھ قرآن پڑھنا حرام ہے اور سننا بھی حرام مگر مدّ ولین میں لحن ہوا تو نماز فاسد نہ ہو گی (عالمگیری) اگر فاحش (حد سے بڑھا ہوا) نہ ہو کہ تان (سُر، کھنچاؤ) کی حد تک پہنچ جائے۔

مسئلہ: اللہ عزوجل کے لئے مؤنث کے صیغے یا ضمیر ذکر کرنے سے نماز جاتی رہتی ہے۔[25]

هذا آخر ما رقم قلم

القادری ابی الصالح **محمد فیض احمد اویسی رضوی** غفرلہ

بہاول پور۔پاکستان

۱۴رجب المرجب ۱۴۲۱ھ

[25] (بہار شریعت، قراءت میں غلطی ہو جانے کا بیان مسئلہ 1 سے 18، مکتبۃ المدینۃ)